



اس کے پاس نظر نہیں آتی یا پھر سال کے کئی دن اس کے سامنے، اس کے پاس دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ بھی جتنی نمایاں رہتی ہے اتنی ہی غائب۔ جب یہ یقین ہونے لگتا ہے کہ وہ مر گئی ہوگی تب ہی وہ زندہ ہو کر اپنی پہلے سے زیادہ بدلی ہوئی بلکہ بدتر حالت میں اپنے لیے پیروں کو چموتے لبلوے میں کسی درویش کی طرح چلتی نظر آجاتی ہے۔ نہ پتا چلتا ہے، زمین پر چل رہی ہے نہ پتا چلتا ہے، ہوا میں اڑ رہی ہے۔

وہ عمری باکو اللہ کا خاص بندہ سمجھتی ہے۔ برگزیدہ ہستی مانتی ہے۔ جبکہ عمری یا اپنے منہ سے اس سے کئی بار کہہ چکا ہے کہ وہ کوئی دلی نہیں ہے۔ وہ دلی کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فٹ پاتھ پر بیٹھا ہے اور اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب سرد ملکوں کے موسم سرد تر ہوں اور پرندے ہجرت کر کے اسے میزبانی کا موقع دیں۔ وہ دلی اس لیے بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ سارا دن اسے حشرات کاٹتے رہتے ہیں اور وہ آئے دن بخار میں مبتلا رہتا ہے۔ بھلا دلوں پر ایسی نوبت کب آتی ہے کہ کیرے کوڑے ان پر اپنا حق سمجھنے لگیں۔ وہ لمبی عبادتوں کا امین بھی نہیں رہا تھا۔ وہ تو ایک عالم نمازی کے عہدے پر بھی پورا نہیں اترتا تھا۔ کچا مومن اور برگزیدہ ہوتا۔ پھر جی نہیں جانے کس نے الڑ ہو کر بتا دیا تھا کہ وہ ”دلی“ ہے۔ اگر وہ اسے دلی مانتی بھی تھی تو حیرت کی بات تھی کہ اس کے پاس کوئی حاجت لے کر نہیں آتی تھی۔

الڑ ہو کر دنیا میں عمری باجیسا بے ضرر کوئی اور نہیں ملا تھا۔ عمری باکی سماعت سے زیادہ اسے کسی فدی مدح

قاہرہ کے غیر حنوط شدہ بازاروں میں سے ایک بازار خان الخلیل۔ کی طرف لے جاتی سڑک کے کنارے وہ عمری باکے سامنے بیٹھی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ نہ عمری بانہ اس کے سامنے بیٹھی الڑ ہو کر عمری یا ایک فقیر ہے، مست ملنگ ہے، کبھی ماسکی، کبھی مزدور ہے۔

وہ ایک وقت میں۔ ”ایک نہیں رہتا“ کئی ایک ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ سڑک کے کنارے بازار میں نہیں بھی نظر نہیں آتا اور ایسے لگتا ہے کہ وہ ”یہاں کبھی“ تھا ہی نہیں اور کبھی وہ اتنا نمایاں اور ہر جگہ پایا جاتا ہے کہ یہ شک بھی نہیں ہوتا کہ کبھی وہ وہاں سے کہیں گیا بھی تھا۔ وہ کب وہاں موجود ہوتا ہے اور کب موجود نہیں ہوتا، نہ اس پر سوال اٹھتا ہے نہ اس کا جواب حاصل ہو پاتا ہے۔

دھول مٹی سے اپنی سڑکوں پر پانی چھڑکتے، دکانوں کے دفنی سالن کو کندھوں پر اٹھائے مزدور بنے، کچھ سپاحوں کے لیے سواری کا انتظام کرتے یا بجائیا کھانا جتنے وہ کام میں ایسے مہمک ہوتا ہے جیسے سرکار کا دلی لیکن فرماں بردار ملازم ہو۔ ”کس سرکار“ کا یہ نہ کسی نے جانا، نہ اس نے بتایا۔ اس کے کام کی تن دی یہ بتاتی ہے کہ اس کو تنخواہ کے علاوہ بھی کچھ ملتا ہے۔ لوگ اسے سڑک کے کنارے بے سدھ پڑا ہوا بھی دیکھتے ہیں۔ کہیں اس کے منہ پر ایسے جھنجھٹائی ہیں جیسے وہ شیرینی کی بھری رکلی ہو اور وہ اسے چاٹ بھی جانا چاہتی ہوں اور بچا کر بھی رکھنا چاہتی ہوں۔

یہ ایک عمری با ہے اور وہ سری الڑ ہو کر جو یا سالوں

Downloaded From paksociety.com

مجھ سے کیا جائے گا، مجھے جواب نہیں مانگنا۔ مجھے تو عدالت میں جانا ہے، یہ کام تم خود کرو۔ ہو سکتا ہے عدالت سجا کر نہیں کچھ سکون مل جائے اور تمہارے آنسو رک جائیں۔ اللہ سے مقدمہ لڑتی تم جیت جاؤ اور سکھ حاصل کرو۔“ عمری باچہ کر سخت آواز میں بولا۔

الزہرہ نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ ”میں عدالت نہیں لگا سکتی۔ میں اللہ کا احترام کرتی ہوں۔“
”پھر اس کے فیصلوں کا احترام بھی کرو۔“
”جو مجھے پسند ہے، مجھے دے دیا جائے تو اس میں کیا برا ہے؟“

”جو تمہیں پسند ہے، وہ برا“ نہیں ہے، اس کا تمہیں یقین ہے؟“

”انسان یہ جان جاتا ہے کہ اسے کیا پسند ہے۔ انسان خدا نہیں ہے، وہ یہ نہیں جان سکتا کیا اچھا ہے، کیا برا۔“

کی سماعت پر بھروسہ نہیں تھا۔ وہ صرف اسی کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیتی تھی۔ وہ پہلی بار اس کے سامنے تیب رکی اور پھر بیٹھ گئی، جب اس کی پہلی شادی ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ گھر والے بالوں کی کچھ لٹیں اسکا رف سے باہر اس کی پیشانی پر بکھری تھیں اور سرمئی نمٹن پر بکھرے رنگ پر نئے پھول اس کا لبہ لہہ تھے۔ وہ جوان تھی اور خوب صورت بھی۔

”کیا تم اللہ سے یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ جسے میں پسند کرتی ہوں اسے چھوڑ کر اللہ نے کسی اور کو میرے لیے کیوں پسند کر لیا؟“

عمری با خاموش رہا۔ اسے روتے ہوئے سنتا رہا۔

”مجھے جواب چاہیے۔ پوچھو اللہ سے۔“
وہ اگلے دن پھر آئی۔ کتنی ہی دن آتی رہی۔

”میں مخلوق ہوں، حج نہیں۔ اللہ سے واقعات کی دلیل کیسے مانگ سکتا ہوں۔ میرے پاس عدالت لگانے کا حق نہیں کہ یہ کیوں ہوا؟ وہ کیوں نہیں ہوا؟ سوال

میں اس کی احسان مند ہوں۔ اس نے میرا خیال رکھا، میرے رشتے داروں کا احترام کیا۔ مجھے عزت دی۔ میں اس کے گھر میں رہی، اس کی محنت کی کمالی کھانی رہی، اس کا بپا اوڑھتی رہی۔ میں اسے کیسے گالیاں دیتی عمری با؟ میں نہیں دیتا چاہتی تھی لیکن مجبور ہو کر ایک بار میں نے مرحوم کو گالیاں دیں اس نے کہا اور گندی گالیاں دو۔ میں نے اور گندی گالیاں دیں۔ پھر وہ مجھے ہر روز یہ کرنے کے لیے کہنے لگا۔ میں نے اپنا منہ سی لیا۔

عمری ہانے سب سمجھ لینے کے انداز سے سر ہلایا۔ ”اس نے مجھے مارا۔ مارا تار ہا۔ میں نے اپنے لب وا نہ کیے۔ پھر اس نے مجھے ایک طلاق دی۔“

”تم نے ایسی زبردست نیکی کی قوت کہاں سے حاصل کی؟“ عمری با کی آواز اس کی چال کی طرح بے ضرر تھی۔

”نیکی؟“ وہ چلا اٹھی۔ ”کیسی نیکی؟“

”تم نے اپنے ہونٹ کیوں سی لیے؟“

”کیا تم نے جس کا کھانا ہو اسے تم برا بھلا کہہ سکتے ہو؟ اس نے مجھے اناج کے اتنے دانے کھائے کہ تم کہہ

میں دو زندگیوں میں بھی ان کی تعداد نہیں گن سکتی۔ میں کیسے اسے برا بھلا کہہ دیتی۔ میں اس سے محبت نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کا احترام تو کر سکتی تھی۔ وہ مجھے اچھا نہیں لگتا تھا لیکن اس کی خوبیاں مجھے پسند تھیں۔ میں بیمار ہوئی، وہ میرا خدمت گزار ہوا، ہماری پہلی اولاد مری، وہ میرے دکھ میں شریک ہوا۔ میں یتیم ہوئی تو وہ باپ کی طرح میرے لیے پر شفیق ہو گیا۔ وہ مجھ پر ہمیشہ مہربان رہا میں اسے کیسے عمری با کیسے۔“

”لیکن تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟“

”ہاں۔ میں نے اسے بھی پسند نہیں کیا لیکن اس کا احسان بیش مانا۔ شوہر تھا وہ میرا۔“

”جسے تم پسند کرتی تھیں اسے تم نے اس کے لیے چھوڑ دیا جسے تم پسند نہیں کرتی تھیں۔ تم مار کھاتی رہیں لیکن اس کو گالیاں نہیں دیں اور بالآخر جو تمہیں سب سے زیادہ پیارا تھا، تم نے اسے دور ہو جانے

تو پھر جو یہ جان سکتا ہے اسی کے پاس یہ اختیار رہے۔“

”لا محدود اختیارات والا تو لا محدود خوشیاں دے سکتا ہے۔ ہماری پسند کی ہماری من چاہی۔“

”وہ لا محدود خوشیاں ہی دیتا ہو تو؟ اور ہم نہ جان پاتے ہوں۔“

”تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟ تم اللہ سے گفتگو کرتے ہو تا؟ تم بولی ہی ہوتا؟“

”یہ باتیں تو میں خطبے میں سنتا ہوں۔ تم کیوں نہیں سنتیں۔“

”میرا گھر مسجد سے بہت دور ہے۔“ اس نے عذر کیا۔

”تمہارا گھر مسجد سے دور ہے یا تم؟“ عمری ہانے سلوگی سے کہا تھا۔

”اگر وہ بے چین ہو گئی۔“ تم میرا پیغام اللہ کو کیوں نہیں دے دیتے۔“

”انسان اپنا پیغام خود ہوتا ہے۔ تم بھی اپنی پیامبر بنو۔ اپنی ادائیگیاں خود کرو۔“

وہ عمری با کی شکل دیکھنے لگی۔ اس کی داڑھی میں نکلے اٹھے تھے اور اس داڑھی کو کبھی خط نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس کے کپڑے گندے اور بدبودار تھے۔ ایسا انسان اللہ کا پیارا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ہلپس ہو گئی۔



وہ چلی گئی۔ جیسے اس سے ناراض ہو گئی ہو۔ وہ خریداری کرنے بازار آئی نہ اس کے پاس لیکن جب اس کا شوہر حلوئے میں مر گیا تو اسے اس کے پاس آنا پڑا۔ وہ آئی اور روئی۔ ایک بیوی اپنے مرحوم شوہر کے لیے روئی۔ پھر اس نے اپنی پسند کے آدمی سے شادی کی اور خود ہی اسے چھوڑ دیا۔ اس کا دسرا شوہر چاہتا تھا کہ وہ اپنے پہلے شوہر کو اس کے سنانے برا بھلا کہے اور گالیاں دے، تاکہ اسے معلوم ہو کہ وہ حقیقتاً اس سے نفرت کرتی تھی اور کرتی رہے گی۔

”میں مرحوم جبار سے محبت نہیں کرتی تھی لیکن

”دیا۔“

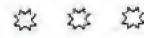
”میں نے اس کی منت کی تھی۔ اس سے کہا تھا کہ وہ مجھے روز مارا کرے لیکن یہ کرنے کے لیے نہ کہے۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔“

”تم نے ایسی قوت کہاں سے حاصل کی؟“

”تم کس قوت کی بات کر رہے ہو؟“ الزہرہ پھر سے چلا اٹھی۔

”جان سے پیارے کو چھوڑ دینے کی۔ ایک انسان کے احترام کے بدلے اپنے محبوب کو چھوڑ دینے کی۔“ وہ دنگ سی ہو کر عمری باکی شکل دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی۔ ”تم کیا کہہ رہے ہو۔ کوئی بھی ہوتا، وہ یہی کرتا۔ میں نے بھی وہی کیا۔“

عمری بانے سب سمجھ لینے کے انداز سے سر ہلایا لیکن کچھ کہنا نہیں۔



جن دنوں اس کا تیسرا شوہر بستر مرگ پر تھا، وہ غم سے بے حال دیوار کا سہارا بنی آئی۔

”دعا کرو، میرا شوہر ٹھیک ہو جائے۔“

”اللہ اسے شفا دے۔“

”میں اس سے محبت کرتی ہوں۔“

”تم جانتی تھیں وہ موذی بیماری کا شکار ہے۔ اسے ایسی دعاؤں کی ضرورت ہے جو معجزے رونما کریں۔ تم نے اس سے شادی کیوں کی؟“

وہ رونے لگی۔ ”کہا صرف ان ہی سے محبت کی جاسکتی ہے جن کے پاس لمبی زندگی کی پرچی ہو۔ جو زیادہ لمبے وقت تک زندہ رہ سکتے ہوں۔ اس کی بوڑھی ماں اسے سنبھال نہیں سکتی تھی۔ زندگی میں کسی نے اس سے محبت نہیں کی تھی۔ وہ زندگی میں اکیلا تھا۔ میں اسے موت میں بھی اکیلا کہے چھوڑ دیتی۔ جبکہ میں یہ جان چکی تھی کہ اسے زندگی کے سامنے زیادہ موت کے سامنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم کسی کی ضرورت جان جاتے ہیں عمر بھر اور اسے پورا بھی کر سکتے ہیں تو اس ضرورت کو پورا کرنا ہم پر فرض ہو جاتا ہے۔“

مجھ پر وہ فرض ہو گیا تھا۔ میں اپنے فرض سے منہ کیے موڑ گئی۔“

”کتنی ہی عورتیں اس کے بارے میں جانتی ہوں گی، پھر تم نے ہی کیوں شادی کی؟“

”مگر میں صحرا میں بھٹک جاؤں اور پانی کی ایک بوند کے لیے تڑپ رہی ہوں تو جو پہلا شخص مجھے نظر آئے گا، مجھے اسی پر یقین ہو گا کہ وہی مجھے پانی پلائے گا۔ بیماری کی تکلیف اور موت کے صحرا میں اسے نظر آنے والا میں پہلا شخص ہوں عمری با!“

اور اس بات نے عمری با کو دنگ کر دیا۔

”اللہ اس کی تکلیف کو کم کرے گا۔“ عمری بانے دعا کی۔

”اللہ اس کی تکلیف کو راحت میں بدل دے۔“

الزہرہ نے اضافہ کیا۔

”اللہ ایسا کر چکا ہے، وہ تمہیں اسے عطا کر چکا ہے۔“

”تم اللہ کے قریب ہو، تم اللہ سے دعا کرو۔“

”اللہ اسے راحت دے۔“

”کیا اللہ صرف قریب والوں کی دعا ہی سنتا ہے اگر میں دلی ہوں تو بھی، کیا وہ کسی کا فریاد نہ گوارا کرے؟“

”تم اس کی مخلوق ہو، تم اللہ کو ”مجھ“ تک محدود کیوں کرتی ہو۔ آخر تمہیں یہ کیوں لگا کہ میں اللہ کے قریب ہوں۔ میں جو کہوں وہ ہو سکتا ہے؟“

”میں نے کبھیوں کو تمہارے منہ پر جھبھنا تے دیکھا اور تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔“

وہ ہنسا۔ ”تو اس سے میں اللہ کا پیارا ہو گیا؟“ میرے

منہ پر روز کھیاں جھبھناتی ہیں اور ہزاروں لوگ مجھے دیکھتے ہیں، وہ مجھے ایسا نہیں مانتے۔ تم اگر مجھ جتنی ہو تو مجھ جتنی ہی دلی کو بچاتا ہے۔“

”پتا نہیں، بس میں نے یہ جانا کہ تم مخلوق پر مہربان ہو۔“

”تم مجھ سے کیسے زیادہ مخلوق پر مہربان ہو۔ تم اللہ کی سب سے پیاری مخلوق پر مہربان ہو، انسان پر۔“



اگلی بار جب وہ عمری باکے سامنے آئی تو عمری باکو کچھ وقت لگا لگا ہے پہچانے میں۔ اتنی سی عمر میں ہی اس کی کمر جھک گئی تھی اور اس کی کھال ہڈیوں سے لٹک جانے کے قریب تھی۔ اس کے چہرے پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے۔ اس کے تیزی سے سفید ہوتے بال جلے، کٹے ہوئے تھے۔ وہ ایک آنکھ سے تانینا بھی ہو چکی تھی۔

تیسرے شوہر کی موت اس پر بڑھ چلائی آئی اور وہ اپنے شوہر کی غم زدہ بوڑھی ماں کی خدمت گار بن گئی جو اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھی تھی۔ اس نے گرمیاں، جاڑے اور بہاریں گھر کے اندر اس کے ساتھ کالے، نیلے روشنی اور اندھیرے دونوں سے ڈر لگتا تھا۔ جو جاگتی تھی تو روتی تھی، سوتی تھی تو چلاتی تھی۔ اکلوتے

بیٹے کی طویل بیماری اور موت نے اسے کیسے کانہیں چھوڑا تھا۔ وہ اپنے ہوش گنوا بیٹھی تھی اور الزہرہ کے حواس تار تار کر رہی تھی۔ وہ اس پر کسی جنگلی جانور کی طرح حملہ آور ہوتی اور الزہرہ اس کے ہاتھوں شکار ہوتی رہتی۔ جب کبھی الزہرہ کو ضروری خریداری کے لیے بازار جانا پڑتا تو وہ اسے اپنے ساتھ باندھ لیتی۔ پھر بھی وہ راستہ بھر اسے نوچتی، مارتی، چلاتی اور روتی ہوئی آتی۔ ایک دن گل تھا جو ہر روز اس کے گھر ہوتا تھا۔ پھر بھی وہ خوش تھی۔

لوگ اس گھر کو پاگل خانہ کہتے تھے۔ الزہرہ کے ساتھ جو لوگوں کو تھوڑی بہت ہمدردی تھی وہ بھی جاتی رہی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ وہ اسے چھوڑ کر چلی کیوں نہیں جاتی۔ اسے کسی پاگل خانے میں جمع کر دے وہ صرف پینتیس سال کی ہے، پھر سے اپنا گھر بنا سکتی

ہے۔ اس نے بھی یہ سب سوچا تھا لیکن کیا کچھ بھی نہیں۔

”کیا لوگوں کو اس لیے چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہے؟ کیا اللہ ایسے لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے؟“

”تم خدا کی صفات اپنانے کی کوشش کر رہی ہو؟“
”میں جانتا چاہتی تھی کہ خدا کیا کرتا۔“
”تم دیکھ تو رہی ہو، اس نے تمہیں اس کے ساتھ رکھا ہے۔ خدا نے یہی کیا۔“

”اور اگر میں نہ رہوں اس کے ساتھ۔ پھر؟“
”چھوڑ دو پھر۔ اپنے سکھ تلاش کرو۔“

”میں سکھی ہوں۔ اللہ جانتا ہے میں بہت سکھی ہوں۔ کیا سکھ صرف اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھی جگہ رہنے کو ہی کہتے ہیں۔ میں سمجھتا چاہتی ہوں لوگ مجھے بے چاری کیوں کہتے ہیں صرف اس لیے کہ میں اپنے مرحوم شوہر کی ماں کے ساتھ ہوں جو پاگل ہے۔ میں جوان ہوں اور وہ کہتے ہیں میں خود کو برباد کر رہی ہوں۔ اگر میں ایسی پاگل ماں کے بجائے اپنے نئے شوہر کے ساتھ ہوں گی تو کیا تب ہی میں سکھی ہوں گی۔ اس نے میری ایک آنکھ پھوڑ دی، گرم سلاخ اس نے

میری آنکھ میں گھونپ دی، پھر بھی میں سکھی ہوں لیکن میں تب دھمی ہوتی ہوں جب لوگ مجھے پاگل کہتے ہیں۔“

”اس پاگل ضعیف کی خدمت نے تمہیں بھی ضعیف کر دیا ہے؟“

”ایسے نہ کہیں عمری با! جس میں ان کا اختیار نہیں، اس کا الزام بھی انہیں نہ دیں۔ کیا زندگی جوانی کی بہاریں اور بڑھاپے کا آرام ہی ہے؟ کیا وقت سے پہلے بوڑھا ہو جانا عذاب ہے؟ کیا نیکی اپنے سکھ کو حاصل کرنے کے بعد کیا جانے والا عمل ہے؟“

”تو تمہیں سب نیکیاں جمع کر رہی ہو؟“
”نہیں عمری با! نیکی میرے بس کی بات نہیں۔ میں نے عبادتوں میں راتیں گزار دی ہیں، نہ دن۔“

صاف۔ بالکل حقیقت۔ دن کی طرح صاف اور اجلی ہوئی۔

”تم مجھے ٹال رہے ہو، پھر ٹال رہے ہو، میں تو اپنے سامنے مرنے والوں کی تعداد بھی بھول گئی ہوں۔ میرے کانوں میں ان کی باتیں گونجتی رہتی ہیں۔ ان کی بڑبڑاہٹیں۔ ان کے کلمے۔ ان کی آخری ہچکیاں۔“

”کیا تمہیں یہ کسی انعام سے کم لگتا ہے؟ تم ان کی شہادتوں کی گواہ ہو؟“

”کیا اللہ کو گواہوں کی ضرورت ہے؟ وہ سب جانتا ہے۔“

”وہ سب جانتا ہے لیکن روز قیامت وہ اپنے لیے نہیں ”ہمارے“ لیے گواہ سامنے لائے گا۔ وہ انصاف پسند ہے، وہ سیدھے سیدھے سزا سنانا نہیں چاہتا۔ ورنہ یوم جزا صرف یوم سزا ہوتا۔“

”کاش میں ولی اللہ ہوتی، عمری باکاش ایسا ہوتا، میں اللہ سے ان سب کے لیے راحت مانگتی۔“

عمری یا مسکراتے لگا۔ ”انسان عجیب ہے“ اسے پیغمبر کے ساتھ معجزہ چاہیے اور فرمان کے ساتھ مبرا۔ پھر ہی وہ اپنے ایمان کی کھڑکی کھولتا ہے۔

الزہرہ دواؤں اور حکیمی نسخوں سے بھرے تھیلے کو اٹھا کر چلی گئی۔

وہ ایسے ہی تھیلے کے ساتھ ایک بار پھر آئی تھی۔

”اس نے کہا کہ میں اسے کلمہ پڑھاؤں۔ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ اس کا بیٹا اپنے بچوں کے ساتھ گھومنے گیا ہوا تھا۔ پھر اس نے دم توڑ دیا۔ وہ ساری رات بڑبڑاتا رہا اور اس نے اپنے گناہ مجھے بتائے۔“

”جب وہ۔۔۔ اپنے گناہ تمہیں بتا رہا تھا تو تم نے اس سے کیا کہا۔“

میں نے کہا۔ ”خدا رحمن ہے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ رحمن ہے، جتنا تم سوچتے ہو یا جانتے ہو، وہ تمہیں معاف کرنے کا رانی برابر جواز بھی نہیں چھوڑے گا۔“

میں ساری رات اس سے یہی کہتی رہی۔ میں چاہتی تھی وہ اللہ کی رحمت پر ایمان رکھ کر جان دے۔

”تمہاری یہ عاجزی اللہ کو پسند ہوگی۔ یقیناً۔۔۔“

”اگر پسند ہوتی تو وہ مجھے بزرگی عطا کرتا۔“ وہ چلی گئی۔



پھر اپنے مرحوم شوہر کی ماں کے مرنے کے بعد آئی تھی۔ وہ اپنی غم زدہ اور دمھی تھی کہ عمری باکاش کا وہ بھی جلد ہی مرجائے گی لیکن وہ مری نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے مرتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اس نے ایک خدمت گار کی حیثیت اختیار کر لی۔ لوگ اسے اپنے پیاروں یا معذور بچوں کی دیکھ بھال کے لیے اجرت پر رکھ لیتے۔ وہ اجرت بھی کم لیتی تھی اور اس کی نگرانی بھی نہیں کرنی پڑتی تھی۔ البتہ وہ جس جس بوڑھے مریض کی خدمت کے لیے گئی، ان میں سے بہت سے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے اور اسی لیے اس کی مانگ میں اضافہ ہوا۔

”کیا میرا سایہ منحوس ہے؟“ اس نے عمری باسے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔“

”مجھے جانتا ہے۔ وہ میرے ہاتھوں میں دم کیوں توڑ دیتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں میں موت کا فرشتہ ہوں۔“

”تم اسے خوش نصیبی کیوں نہیں سمجھتیں۔“

”کیا موت کسی بھی طرح خوش نصیبی ہو سکتی ہے؟“

”کیوں نہیں! جو حکم لکھ دیا گیا ہے، اس کی تکمیل ہو جائے تو کیا یہ خوش نصیبی نہیں؟“

”میں موت کے لیے تیار ہوں لیکن دوسروں کی موت مجھے گوارا نہیں۔“

”تم کون ہوتی ہو گوارا کرنے والی؟ جب اسے گوارا ہے جو زندگی کے ساتھ موت لگتا ہے۔“

”تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟ کیا تم نے اللہ سے پوچھا ہے؟ اسے یقین چاہیے تھا۔“

”میرا خیال ہے یہ سامنے کی بات ہے۔ صاف

”اگر تمہارے بجائے اس کی لاروا اولاد اس کے پاس ہوتی تو وہ شاید اللہ پر اتنا یقین رکھ کر جان نہ دیتا۔“
 الزہرہ معصومیت سے مسکرا دی۔ ”اللہ رحمن ہے، وہ ہمارے یقین پر اپنا رحم نہیں کرتا۔ ہم اعتقاد رکھتے ہیں یا نہیں وہ رحمن ہی ہے۔“
 ”تم نے ”خدائی صفت“ کی ایسی حقیقی پہچان کیسے حاصل کی؟“

”یہ تو سامنے کی بات ہے۔ صاف صاف۔ بالکل حقیقت۔ کیا تم نہیں دیکھتے یہ سب کیا وہ میرے اعتقاد پر مجھ پر رحم کرے گا؟“
 عمری باجی معصومیت سے مسکرا دیا۔ ”تو تم نے یہ جان لیا؟“

”اگر میں برگزیدہ بندی ہوتی تو اللہ کو زیادہ اچھی طرح سے جانتی۔“
 ”تو تمہیں بھی مر چاہیے۔ دلیل کے ساتھ ثبوت۔“ عمری بانے اس کے رخصت ہو جانے کے بعد کہا۔

Downloaded From
paksociety.com

اس نے دروازہ کھولا تو سامنے ایک ڈھلتی عمری عورت کھڑی تھی۔

”کون؟ دیکھو میں نے تھیلا تیار کر لیا ہے، میں نکلنے ہی والی تھی گھر سے۔ کچھ نئے تیار کرنے میں وقت لگا، ورنہ اندھا میرا چھانے سے پہلے میں گھر سے نکل چکی ہوتی۔“ اسے لگا جس نے مریض کے لیے اسے خدمت گار کی حیثیت سے مامور کیا گیا ہے، من ہی میں سے کوئی اسے لینے آیا ہے۔

عورت اسے دیکھ کر ٹھوڑی دیر کے لیے جھجک گئی۔
 الزہرہ نے آنکھ رگڑ کر اپنی بیٹائی کو ذرا صاف کیا اور ایک پریشن جل اجنبی عورت کو سامنے کھڑا لایا۔
 ”میرا گھر جل چکا ہے۔ میرا شہر جھکا ہے، میں بے اولاد رہی اور پھر میرا ایمان ڈگمگا گیا، میں۔ میں نے اللہ کو کٹوا دیا۔“ اس نے سسک کر کہا۔

الزہرہ نے اسے ذرا غور سے دیکھا پھر آگے بڑھ کر

اس کے ہاتھ پر تھمکی دی۔
 ”میں دو ٹانگوں سے معذور ایک ضعیف کی خدمت کے لیے جا رہی ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ آنا چاہو گی؟ اللہ کو اس کی مخلوق کی خدمت کے ذریعے پانے کی کوشش کرو گی۔“

عورت نے سر ہلادیا اور الزہرہ کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا۔

”تم مجھے جانتی ہو؟“
 ”کیا آپ مجھے نہیں جانتیں۔ اس فقیر نے کہا، میں یہاں آ جاؤں، وہ جو خان الغلیلی۔“

”عمری با؟“ الزہرہ حیران رہ گئی۔ ”وہ میرا گھر نہیں جانتا۔ ہمیشہ میں ہی اس کے پاس گئی ہوں۔ تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ اس نے کہا، محلہ اشرافیہ میں مسجد کے گنبد کے سامنے میں اس کا گھر ہے اور مسجد کے گنبد کی روشنی صرف اسی کے گھر کو روشن کرتی ہے۔“

پندرہ سال سے اس گھر میں رہتے الزہرہ نے پہلی بار گھر کی دلیز سے نکل کر مسجد کے گنبد کو دیکھا اور اس سے اچھی روشنی کو۔ وہ صرف اسی کے گھر کو روشن کر رہی تھی۔ اس نے ڈگمگا کر دلیز کو پکڑ لیا۔

”اور اس نے کیا کہا؟“
 اس نے کہا۔ ”انسان بھی عجیب ہے، ہر چیز کا ثبوت مانگتا ہے، اپنے دلی ہونے کا بھی۔“

